وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

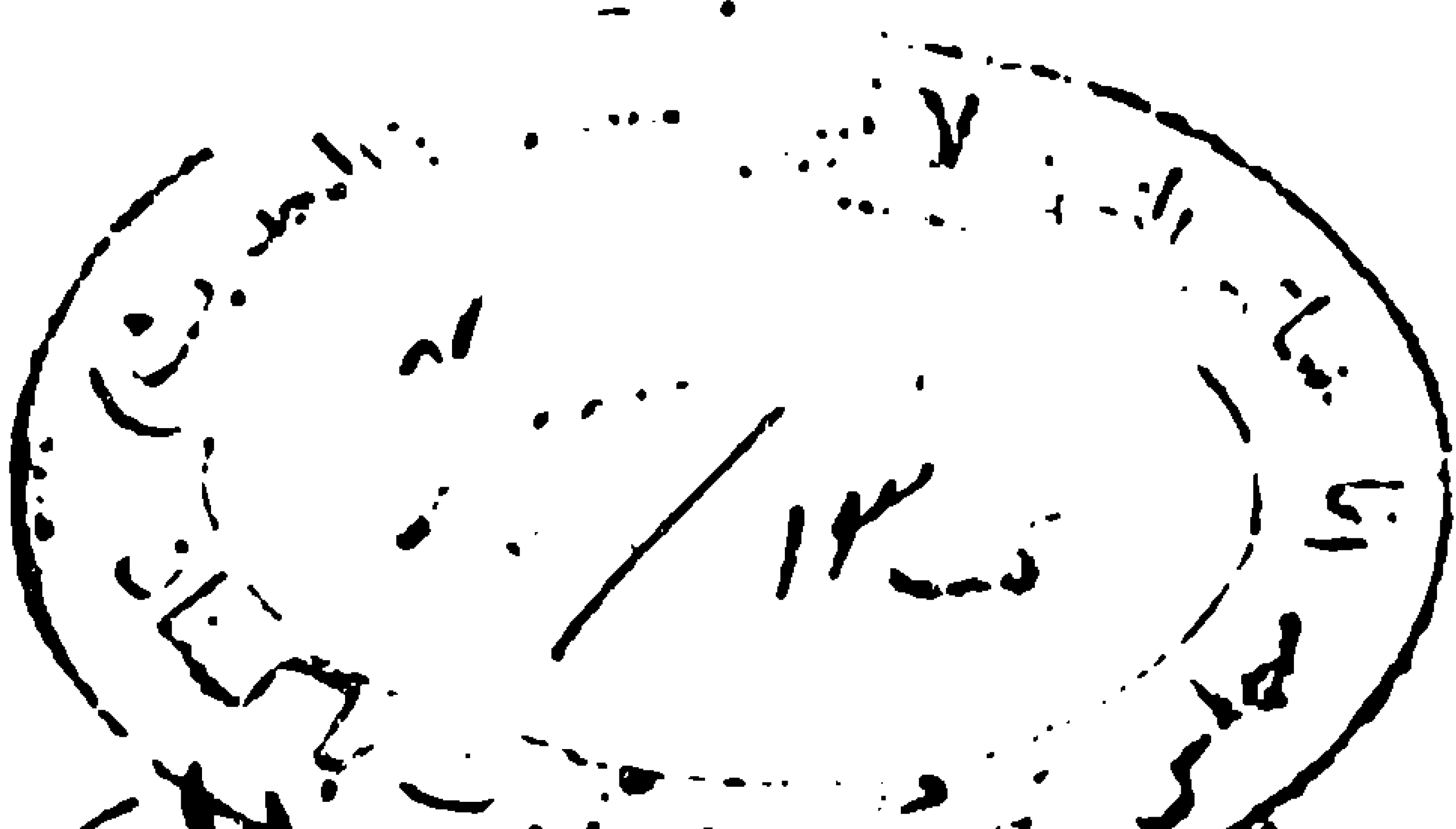
کتاب القاضی الی القاضی

بجواب

القول الجلی

مؤلف:

حضرت مولانا قاضی عبداللطیف شجاع آبادی مدظلہ



کتاب القاضی الی القاضی

بجواب ! القول الجلی

قاضی محمد شمس الدین —

مؤلفہ

مولانا قاضی عبد اللطیف صاحب شجاع آبادی

سابق مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

حرفے چند...... مولانا قاضی عبداللطیف شجاع آبادی رحمہ اللہ			۴۴۴
پیش لفظ			۴۴۵
برسرِ تیج اختلاف کا پہلا اظہار	۴۴۷	باہمی اختلاف کا دوسرا اظہار	۴۴۷
مولانا غلام اللہ خان کی تردید قاضی صاحب کے قلم سے	۴۴۹	مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کی تردید قاضی شمس الدین صاحب کے قلم سے	۴۴۹
قاضی صاحب کا اقرار کرنا کہ ان کی جماعت اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہے	۴۵۰	مولانا عنایت اللہ صاحب کی تردید میں قاضی صاحب کی دوسری صراحت	۴۵۰
قرآن پاک کی وہ آیات شریف جو کفار کے حق میں تھیں اور قاضی صاحب نے جوش غضب میں انہیں علمائے مسلک دیوبند پر چسپاں کردیا	۴۵۱	قاضی صاحب کی واعظانہ پھبتیاں اور طالب علمانہ چٹکلے	۴۵۱
حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب کی تردید میں قاضی صاحب کی تیسری صراحت	۴۵۲	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا مسلک بیان کرنے میں قاضی صاحب کی توجیہ قول القائل لما لا یرضی بہ قائلہ!	۴۵۳
قاضی صاحب کی عوام الناس کو مرعوب کرنے کی کوشش	۴۵۴	تکرار کلام سے تکثیر دلائل کا ابہام	۴۵۴
نرالے دلائل	۴۵۵	بات کی حقیقت	۴۵۶
قاضی صاحب کے نرالے دلائل	۴۵۷	الحصحصہ برفع الوسوسہ	۴۵۷
قاضی صاحب کی غلط فہمی	۴۵۸	ارسطو فارابی اور ابن سینا کی قبر پر لات	۴۵۹
قاضی صاحب کی نرالی منطق	۴۵۹	القول الجلی صحت نقل کے معیار پر	۴۶۰
حرف آخر	۴۶۰		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا قاضی عبداللطیف شجاع آبادی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱ اکتوبر ۱۹۱۹ء ...... وفات: ۲۵ رجنوری ۲۰۰۴ء

آپ حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ کے چچازاد بھائی تھے۔ مخزن العلوم عیدگاہ خانپور سے دورۂ حدیث شریف کیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے شعبہ تبلیغ کے تحت گوجرانوالہ میں خدمات سرانجام دیں۔ شاہی جامع مسجد شجاع آباد میں خطیب رہے۔ اشاعۃ التوحید کے رہنماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''القول الجلی'' میں مولانا قاضی عبداللطیف کو مخاطب بنایا۔ قاضی عبداللطیف صاحب نے اس کا جواب ''کتاب القاضی الیٰ القاضی بجواب القول الجلی'' کے نام سے تحریر کیا۔ اس مجموعہ میں اس کو شامل کیا جارہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب میں حضرت قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالوی کا رسالہ ''القول الجلی'' پر تنقیدی تبصرہ کر کے واضح کیا گیا ہے۔ کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں علماء دیوبند کے مخالفین کس طرح دلائل سے خالی ہیں۔

پیش لفظ

''حامدا و مصلیا و مسلما''

گزشتہ سال مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے میں حلقہ گوجرانوالہ میں متعین تھا۔ تبلیغی اجتماعات کے دوران بعض مقامات پر حیات النبی ﷺ کا مسئلہ ضمنی طور پر سوال میں آیا۔ میں نے اپنے اکابر حضرات علماء دیوبند کے مسلک کو بیان کیا اور ایسے مسائل میں باہمی طور پر الجھنے سے بچنے کی تلقین کی۔ میرا مقصد ہرگز کسی شخصیت یا دھڑے کی تردید نہ تھی، بلکہ اپنے مسلک کو صرف مبلغاً بیان کرنا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب میری تردید میں ایک پورا رسالہ لکھ ڈالیں گے۔ پہلے قاضی صاحب کئی مقامات پر میرے خیالات کی زبانی تردید کرتے رہے، میں پھر بھی خاموش رہا کہ وہ بڑے ہیں۔ میں چھوٹا، اس پر بھی بس نہیں، پھر قاضی صاحب نے ''القول الجلی'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ میری تردید میں شائع کر دیا۔ اگر موضوع سخن صرف میری طرف رہتا تو کوئی بات نہ تھی۔ انہوں نے میرے تمام اکابر کو بھی اس میں اس طرح لے لیا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ طالب علمانہ نوک جھوک میں آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ بانی دارالعلوم دیوبند پر بھی نہایت مکروہ طریقے سے برسے۔ ان وجوہات سے میں یہ چند سطور آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ میرے اور قاضی صاحب کے اس اختلاف کی حقیقت سب کے سامنے آجائے۔ میں قاضی صاحب کے اس رسالہ سے مستفید بھی ہوا ہوں۔ میرے علمی معلومات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ میں نے پہلے حافظ ابن حجر ﷫ قرطبی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ عسقلانی یا ہیثمی کا نام تو جانتا تھا۔ لیکن اس نئے قرطبی بزرگ کا پتہ (القول الجلی ص ۲۹) سے ہی چلا۔ اس شکریہ کے ساتھ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس رسالہ کے اکثر مضامین سخت، جذباتی کلمے اور دھڑے کے شاخسانے ہیں۔ اس میں اگر کوئی چیز نہیں تو وہ اصل مسئلے کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ ہے اس رسالے کے عوامی اثرات کیا ہیں اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس کا غالباً قاضی صاحب کو بھی علم نہیں ہوگا۔ میں اس کے متعلق جو کچھ سمجھ سکا ہوں آپ کے سامنے آرہا ہے۔ امید ہے کہ اب قاضی صاحب میری تردید سے باز آجائیں گے۔

ناچیز: (قاضی) عبداللطیف شجاع آبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم" اما بعد!

جب بعض مفاد پرست مولویوں اور زراندوز پیروں نے اصلی حنفیت پر تاویلات فاسدہ کے پردے ڈال رکھے تھے عقائد حقہ اہل السنت والجماعت کو ذاتی اغراض اور رسوم شرکیہ سے آلودہ کیا جارہا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اکابر دیوبند سے یہ خدمت لی کہ انہوں نے عقائد حقہ اہل السنت والجماعت کو شرک و بدعت کی آلائش سے بالکل محفوظ رکھا اور حنفی مسلک کی تائید و تعیین میں علم و تحقیق کے سمندر بہادیے۔ تاویل والحاد کے ہر چور دروازے کو بند کر کے اسلام کو اس کی اصلی صورت میں پیش کیا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اکابر دیوبند کی مساعی مشکور فرمائیں اور دارالعلوم دیوبند اور اس کی تمام علمی شاخیں ساری دنیا پر ضیا پاشیاں کرنے لگیں۔ بزرگان دیوبند نے جہاں اصول و فروع میں تشریح و تحقیق کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم فرمایا۔ وہاں اپنے مسلک و خیالات کے اظہار کے لیے اپنے عقائد ایک مختصر کتاب (المہند علی المفند) میں جمع و مرتب فرما کر اپنے تمام متوسلین اور معتقدین کے لیے ایک مشعل ہدایت روشن کردی۔ اسی مسلک کو سلف صالحین کا سرمایہ تحقیق اور عقائد اہلسنت کی صحیح تعبیر قرار دیا۔ جمیع اکابر دیوبند اور اساتذہ دیوبند کے علاوہ عرب و عجم، شام و مصر اور حجاز وغیرہ کے علماء اہل سنت والجماعت کی اس پر تصدیقات لی گئیں۔ اس طرح مسلک دیوبندیت ایک واضح اعتقاد ایک معین راہ عمل ہو کر سامنے آگیا اور ہر مخالف کی بہتان تراشی اپنا منہ چھپا کر رہ گئی۔

حضرات دیوبند کے تلامذہ و متوسلین پاک و ہند کے سب علاقوں میں عملاً و اعتقاداً اپنے اکابر کے نقش قدم پر رہے۔ طریق کار میں اختلاف کی راہیں بھی انہیں اپنی مرکزیت سے جدا نہ کرسکیں۔ اساتذہ کرام کا تحقیقات اور فتاویٰ کے باب میں بھی اگر کہیں خفیف سا اختلاف ہوا تو اس سے "عقائد دیوبند کی یہ تاریخی دستاویز" ہرگز محل نزاع نہ بن سکی، اور سب اکابر و اصاغر "المہند علی المفند" کو دائرہ دیوبندیت کا مرکز قرار دیتے رہے۔

بعض علاقوں سے دو چار ایسے بزرگ اٹھے جو حضرات دیوبند سے سلسلہ عقیدت ظاہر کرنے کے باوجود بعض مسائل میں اختلاف کی راہ چلنے لگے، اہل بدعت کی جارحانہ روش اور حاسدانہ تپش نے ان حضرات کو رد شرک و بدعت میں کافی متشدد بنادیا۔ یہ حضرات مبتدعین کی جارحیت سے یہاں تک متاثر ہوئے۔ کہ اکابر دیوبند کے مسلک کو بھی بھول گئے اور مقابلانہ انداز میں یہاں تک بڑھتے چلے گئے کہ اپنا ایک مستقل مکتب فکر بنالیا اور مبلغانہ جوش بیان میں اکابر کی علمی اور تحقیقی قدروں کی بھی پرواہ نہ کی۔ بعض حضرات تو اپنے آپ کو زیادہ اہل حق کہتے ہوئے اکابر دیوبند پر بھی مداہنت کا الزام لگانے لگے۔ اس مکتب فکر نے پھر ایک دھڑے کی شکل اختیار کرلی، اور ان میں اور علمائے دیوبند میں کچھ کلامی مسائل تو پہلے سے ہی اختلافی تھے۔ اب یہ چند اور مسائل ممتاز طور پر مابہ النزاع بن گئے۔ مثلاً:

۱...... مسئلہ وسیلہ، آیا صرف توسل بالصفات ہی جائز ہے یا توسل بالذوات اور توسل بالاموات بھی ہوسکتا ہے۔

۲...... مسئلہ حیات النبی ﷺ آیا انبیاء کرام کو اپنی قبور شریفہ میں جسمانی حیات حاصل ہے یا نہیں۔ وغیرہا من المسائل۔

اس دھڑے کے حامی کار عقائد و فروعات کی اکثر تعبیرات میں حنفی المسلک ہیں اور ماحول سازی میں اپنے آپ کو اکابر دیوبند کا ارادت کیش ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی کھل کر علماء دیوبند کے مقابلہ میں نہ آئے تھے اور نہ کبھی

انہوں نے اکابر دیوبند کے خلاف سٹیج لگایا تھا۔اس لیے ان چند اختلافی مسائل کے باوجود جو صرف مجالس خاصہ تک محدود اور صرف ذہنی طور پر معروف تھے ان میں اور دیوبندی حضرات میں باہمی تعاون واشتراک رہا۔ ہر دو جانب ایک دوسرے سے ذہنی طور پر مختلف سمجھی جاتی تھیں اور مشترک اجتماعات میں ایک دوسرے کے خیالات اور رجحانات کا احترام برابر ملحوظ رکھا جاتا رہا۔علاوہ ازیں اس دھڑے کی پوری حقیقت اور ذہنیت اس وقت تک بے نقاب نہ ہوئی تھی۔

برسرسٹیج اختلاف کا پہلا اظہار

جب یہ اتفاق واتحاد پامال ہونے لگا تو یوں پہل ہوئی کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ایک مشہور دیوبندی عالم دین مولانا بہاؤالحق صاحب قاسمی کو اپنے جلسہ میں خود بلاکر خود تقریر میں کھڑا کر کے پھر خود ہی مولانا قاسمی کو برسرسٹیج تقریر کرنے سے روک دیا۔عام پبلک کے سامنے اپنے نظریاتی اختلاف ظاہر کرنے کی طرف یہ پہلا یہ قدم تھا۔

باہمی اختلاف کا دوسرا اظہار

کچھ عرصہ بعد مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے خیرالمدارس ملتان کے ایک رات کے اجلاس میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کو آماجگاہ بنالیا۔شاہ صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ خیرالمدارس اور اس کے کارکن حضرات کے خیالات کا احترام رکھتے اور کوئی ایسا موضوع نہ چھیڑتے جو ان میں اور علمائے دیوبند میں اختلافی نہ تھا،کیونکہ انہوں نے اس مشترک سٹیج کا کوئی لحاظ نہ کیا۔پھر کیا تھا اختلاف کی ایسی آندھی چلی کہ الامان والحفیظ۔

اس سلگتے ہوئے ماحول میں علمائے مسلک دیوبند نے عافیت اسی میں سمجھی کہ معاملے کو طول نہ دیا جائے اور مسئلے کے اثبات وابطال میں عوام کو نہ الجھایا جائے۔انہوں نے اسی کو سلامتی کے قریب جانا،کہ یہ اعلان کردیا جائے کہ شاہ صاحب اوران کے ہم خیال اس مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند کے مسلک پر نہیں ہیں اور روضہ شریفہ میں حضور کی حیات جسمانی کا انکار دیوبندیت نہیں ہے۔

اس میں یہ بات نہ تھی کہ دلائل کس مسلک کی تائید کرتے ہیں اور کس کی نہیں،کتاب سنت کے مآخذ سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں مطلب صرف یہ تھا کہ عوام کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ اس مسئلہ میں شاہ صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ اکابر دیوبند کی تحقیقات کے خلاف ہے۔

اگر شاہ صاحب کے اپنے مذہب کو کتاب وسنت کی تائید حاصل بھی ہوتی تو بھی اس حقیقت کی تردید نہیں کہ اکابر دیوبند حضور ﷺ کی روضہ طاہرہ میں حیات جسمانی کے قائل ہیں اور اگر شاہ کا مسلک کتاب وسنت کے خلاف بھی ہے تو بھی یہ اس سے انکار نہیں کہ اکابر دیوبند حضور ﷺ کے روضہ منورہ میں حیات عنصری کے قائل ہیں۔

اگر یہ بات اسی پر محدود رہتی تو یہ اختلاف پہلے دن ہی ختم ہوجاتا۔لیکن افسوس کہ موضوع کو الجھایا گیا،حالانکہ اکابر دیوبند کا مسلک اس دھڑے کے زعم میں خواہ کتاب وسنت سے تائید یافتہ ہو یا نہ ہو،اس باب میں بالکل بے غبار تھا کہ اکابر دیوبند آنحضرت ﷺ کی روضہ منورہ میں حیات جسمانی کے قائل ہیں۔

اگر شاہ صاحب اوران کے دھڑے کے لوگ اس حقیقت کا اعتراف کر لیتے کہ واقعی وہ اس مسلک میں اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہیں تو بات ہرگز آگے نہ بڑھتی،اہل علم میں اختلافات ہوتے چلے آئے ہیں۔کوئی

ان سے یہ حق تحقیق کو ہرگز سلب نہ کر سکتا تھا۔ لیکن بہ تقاضائے انصاف یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی ان تحقیقات کو بیان کرتے وقت یہ اظہار کر دیتے کہ یہ ان کی اپنی تحقیق ہے، اکابر دیوبند کا یہ مسلک نہیں۔

خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شاہ صاحب کی تقریر کے جواب میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ یہی تھا، کہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ میں شاہ صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ اکابر دیوبند کا مسلک نہیں۔

ان اختلافات سے دلچسپی رکھنے والے ہر چھوٹے بڑے پر یہ حقیقت واضح ہے کہ آج تک کسی صاحب کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس دعوے کی تردید کا دم بھرے۔ ہاں دھڑے بندی کی خاطر اس حقیقت واقعہ کا اعتراف نہ کیا گیا اور بحث یہ چھیڑ دی گئی کہ یہ مسلک کتاب وسنت سے کہاں تک ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح معاملے کو بگاڑا گیا اور مسئلے کو الجھایا گیا۔

پھر ان حضرات کی طرف سے برابر یہ کہا جاتا رہا کہ ہم دیوبندی ہیں۔ ہماری کوئی علیحدہ جماعت نہیں۔ ہم اس مسئلہ حیات النبی ﷺ میں بھی دیوبندی ہی ہیں۔

علمائے مسلک دیوبند نے نفس مسئلہ اور اس کے اثبات وابطال کو نہ موضوع بنایا اور نہ ہی یہ اس کا کوئی موقعہ تھا۔ ہاں جماعت دیوبند کی غلط نمائندگی سے چونکہ خود مسلک دیوبند بدنام اور مشتبہ ہو رہا تھا، اس لیے پارٹی ڈسپلن کے ماتحت صرف یہی حقیقت واضح کر دی کہ اس دھڑے کے یہ مسائل اکابر دیوبند کی تحقیقات کے خلاف ہیں۔ میں نے بھی اگر کہیں یہ مسئلہ بیان کیا تو صرف اسی حد تک، لیکن افسوس کہ میری تردید میں حال ہی میں ایک رسالہ "القول الجلی فی حیات النبی ﷺ" کے نام سے مولانا قاضی شمس الدین نے شائع کرایا ہے۔ آپ نے اس میں اسلام کی کیا خدمت کی ہے۔ یہ غالباً قاضی صاحب نے خود بھی نہیں سوچا ہوگا۔ عام تاثر تو یہی ہے کہ اس میں علمائے دیوبند کے اس موقف کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو انہوں نے تقریباً نصف صدی سے اہل بدعت کے خلاف اختیار کر رکھا تھا۔ اہل بدعت علمائے دیوبند پر طرح طرح کے بہتان باندھتے جو عقیدے ان کے نہیں۔ وہ ان کے ذمہ لگاتے اور ان کی عبارات کو غلط معانی کا جامہ پہناتے۔ اس پر علمائے دیوبند اپنے عقائد کی تاریخی دستاویز "المہند علی المفند" پیش کر کے ان کے دجل وفریب کو تار تار کر دیتے اور ان سے کوئی جواب باصواب بن نہ پڑتا۔ اب القول الجلی نے ان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا کہ المہند پر خود بعض دیوبندی کہلانے والوں کو بھی اعتماد نہیں اور ان کے نزدیک بھی یہ دستاویز صحیح نہیں بلکہ جعلی ہے۔ اس دھڑے کے بعض ذمہ دار لوگوں سے تو یہاں تک سنا گیا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے (معاذ اللہ) المہند میں اپنی طرف سے ہی سب دستخط بنا کر اسے شائع کر دیا ہوا ہے۔ القول الجلی کی اس علمی خدمت نے اہل بدعت کے ہاتھ جس طرح مضبوط کیے ہیں۔ اس کا ایک ہی جواب ہمارے پاس ہے کہ یہ مذکورہ موقف "دھڑے" کا ہے۔ جماعت دیوبند کا نہیں۔ ہم حضرت محدث سہارنپوری اور دوسرے اکابر دیوبند کی نہ دیانت پر شبہ کرتے ہیں اور نہ ان کی امانت کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جن حضرات اکابر کے اس پر دستخط ہیں وہ اس کی اشاعت کے بھی کافی عرصہ بعد زندہ رہے اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، بلکہ سب اسے اپنی مرکزی دستاویز عقائد ہی قرار دیتے رہے۔

ممکن ہے بعض اہل حدیث حضرات اس سے خوش ہوں۔ کہ قاضی صاحب نے (القول الجلی ص ۳۶) پر ہدایہ کی بعض کمزوریوں کا اقرار کر کے ان کی بھی تائید کی ہے۔ لیکن جب وہ اس حقیقت پر مطلع ہوں گے کہ اس میں پرویزیت کے لیے کافی مواد ہے تو ان کو بھی اس پر افسوس ہی کرنا پڑے گا۔

اس رسالہ کے اکثر مندرجات جہاں علمائے دیوبند سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہاں یہ خوشی ہے کہ اس میں قاضی صاحب نے بعض ایسی تصریحات بھی فرمائی ہیں۔ جن سے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عنایت اللہ صاحب کے بیانات اور خیالات کی بھی کافی حد تک تردید ہوگئی ہے۔

مولانا غلام اللہ خان کی تردید قاضی صاحب کے قلم سے

مولانا غلام اللہ خان کی سرپرستی میں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں قرآن کی تعلیم کتنی ہوتی ہے اور ادھر ادھر کی باتیں کتنی ہوتی ہیں۔ اس سے ہمیں بحث نہیں۔ اس رسالہ میں موضوع روایات (من کثرت روایات) کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے: ''ابوداؤد نے اوس بن اوس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ بہتر دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اس میں مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کے جسم کے اجزاء منتشر ہو گئے ہوں گے۔ فرمایا، کہتے ہیں اجزاء منتشر ہو گئے ہوں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کا جسم حرام کر دیا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ابن حجر نے اس کے متعلق لکھا کہ امام بخاری نے اسے کمزور راویوں میں شمار کیا ہے۔ متروک ہے کثرت سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔''

(تعلیم القرآن راولپنڈی، ماہ فروری ۱۹۵۸ء ص ۱۸ کالم ۱)

مولانا قاضی شمس الدین صاحب القول الجلی کے ٹائٹل پر اسی حدیث کو جبین کتاب بنایا ہے، جسے ماہنامہ تعلیم القرآن نے موضوع روایات کے تحت درج کیا ہے۔ علاوہ ازیں قاضی صاحب نے (ص ۵۸ سطر ۱۷) پر اس حدیث صحیح کو صاف تسلیم کیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس کتاب سے یہ تو فائدہ کہ راولپنڈی کے مذکورہ ماحول کی غلط روی واضح ہوگئی۔ ''فجزاہ اللہ احسن الجزاء''

ہاں قاضی صاحب نے اس حدیث کے جو معنی کئے ہیں، وہ آج تک کسی شارح حدیث کو نہیں سوجھے۔ یہ محض قاضی صاحب کے اپنے اجتہادات یا وساوس ہیں۔ جن کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کی تردید قاضی شمس الدین صاحب کے قلم سے

شاہ صاحب کافی مدت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم دیوبندی ہیں۔ ہماری کوئی علیحدہ جماعت نہیں قاضی صاحب اپنے اس دھڑے کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہم تو آج تک ان حضرات کے بھی خدام رہے ہیں، جو ہی مورد طعن اور ہدف سہام بنا رہے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ یا کسی اور بزرگ پر اگر کسی مبتدع نے طعن کیا تو ہماری جماعت اپنی بساط کے مطابق مدافعت کرتی رہی۔'' (القول الجلی ص ۵۴ سطر ۱۳، ۱۴)

دیکھئے قاضی صاحب اکس صفائی سے تسلیم کر رہے ہیں کہ ان کے چند ساتھیوں کا دھڑا ایک علیحدہ مستقل جماعت ہے اور یہ احسان خود دیوبندیوں کے مقابلہ میں ہی گنوائے جا رہے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی دیوبندیوں کے علاوہ ایک جماعت ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ میرے حق میں زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعان کا

اگر شاہ صاحب پہلے دن ہی اپنی دھڑے کو دیوبندیوں سے ایک علیحدہ جماعت تسلیم کر لیتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جھگڑا کچھ بھی آگے بڑھتا جو بات اب قاضی صاحب نے تسلیم کی ہے شاہ صاحب اس کا تا عرصہ انکار کرتے رہے اور معاملے کو یوں ہی طول دیتے رہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ شاہ صاحب نے بھی اپنے ہم خیالوں کا ایک علیحدہ جماعت ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ (تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ دسمبر ص ۶۷ سطر ۷)

قاضی صاحب کا اقرار کرنا کہ ان کی جماعت اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہے

اس قضیہ اختلاف کے طول پکڑنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ شاہ صاحب اس حقیقت کا اعتراف کرنے سے گریز کرتے رہے ہیں کہ ان کی جماعت اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے قاضی صاحب کو کہ انہوں نے اس کا صاف صاف لفظوں میں اقرار کر کے شاہ صاحب کی مدتوں کی کوشش پر پانی پھیر دیا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''ہم نے ایک جزئیہ میں اختلاف کیا تو آپ نے آسمان سر پر اٹھالیا۔'' (القول الجلی ص ۹۰ سطر ۱۵)

حضرت! علمائے مسلک دیوبند نے آسمان سر پر اٹھایا ہے یا نہیں۔ یہ تو پھر دیکھا جائے گا۔ آپ نے تو واشگاف الفاظ میں کہ آپ اس مسئلہ میں علمائے دیوبند کے خلاف ہیں۔ اگر پہلے دن ہی یہ اقرار شاہ صاحب سے کرا دیتے تو بات آگے نہ بڑھتی۔ اب اتنے عرصہ بعد اس اعتراف حقیقت میں آپ نے کیا فائدہ دیکھا۔

مولانا عنایت اللہ صاحب کی تردید میں قاضی صاحب کی دوسری صراحت

شاہ صاحب یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ قبر کی حیات عنصری کی نفی میں ہمارا موقف قطعی اور کتاب وسنت کی نصوص صریحہ پر مبنی ہے۔ ہمارے دلائل قطعی الثبوت بھی ہیں اور ان کی دلالت بھی اپنے اس مفہوم پر قطعی ہے۔ ہمارا موقف کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں۔ (اگر اب شاہ صاحب یہ کہہ دیں کہ انہوں نے کبھی اپنے اس عقیدہ کو قطعی اور یقینی نہیں کہا تو پھر ہم اسے ''دروغ برگردن راوی'' پر محمول کریں گے)

اب قاضی صاحب شاہ صاحب کی یوں تردید فرماتے ہیں۔ ''اس مسئلہ میں حضرت نانوتوی مرحوم سے ہمارا اختلاف ایسا ہی ہے۔ جیسا صاحبین کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے۔'' (القول الجلی ص ۴۵ سطر ۱۷)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت شریفہ کو ''انقباض الروح فی القلب'' کے معنی میں لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''اہانۃ الروح عن الجسد'' ایک لمحے کے لیے بھی واقع نہیں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ صرف ساتر حیات تھی کہ آثار حیات ظاہر نہ رہے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ کفن ودفن کے بعد پردہ قبر فرما سکیں۔

قاضی صاحب اس موقف سے اختلاف تو کر رہے ہیں لیکن اسے اسی طرح کا اختلاف قرار دے رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام صاحب اور صاحبین میں تھا اور ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا اختلاف، اجتہادات میں ہی تھا، مسائل قطعیہ میں ہرگز نہ تھا، کسی ایک جانب کو اختیار کر کے دوسری جانب کو بھی احتمال ثواب سے خالی نہ سمجھا جاتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ موت کے معنوں میں اگر تنوع کا احتمال لغۃً یا شرعاً کسی صورت میں بھی نہ تھا، تو موت کے مذکورہ بالا معنی کرنا آیت کریمہ ''انک میت وانهم میتون'' (الزمر: ۳۰) اور ارشاد صدیقی رضی اللہ عنہ ''ان محمدا قد

مات'' کے قطعی طور پر خلاف کیوں نہ ہوا اور اگر یہ معنی کرنا قرآن وحدیث کا قطعی طور پر انکار ہے تو پھر اس موقف کو اجتہادی قرار دینا اور اسی طرح کا اختلاف کہنا جو حضرت امام صاحب اور صاحبین میں تھا، یہ کس طرح درست ہوا۔

کیا قاضی صاحب ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ حضرت امام صاحب ﷫ اور حضرات صاحبین ﷫ میں اجتہادیات اور اخبار احاد کے علاوہ بھی قرآنی قطعیات میں بھی اختلاف ہوا ہو، اور ان نصوص قرآنیہ میں کسی دوسرے معنی کی لغۃً یا شرعاً کوئی گنجائش اور احتمال بھی نہ ہو؟ امام صاحب اور دوسرے آئمہ فقہ واجتہاد میں جہاں اختلاف نہیں وہاں مذہبنا صواب ویحتمل الخطاء بھی ملحوظ خاطر رہتا ہے۔

اختلاف کی نوعیت کو اجتہادی بتانا اور پھر دھڑے کی خاطر آسمان سر پر اٹھا لینا جانب مخالف کو اس طرح سمجھنا گویا کہ قطعی طور پر قرآن کی تحریف کر رہے ہیں۔ ضروریات دینی کا انکار ہو رہا ہے اور وہ آیات جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں۔ علمائے مسلک دیوبند پر چسپاں کرتے چلے جانا۔ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ تعصب اور تحزب کا یہ پیرایہ اور غیظ وغضب کا یہ مظاہرہ کم از کم ہماری سمجھ سے تو بالا ہے۔ اختلاف تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اوچھے انداز اختیار کرنا ہرگز شایان اہل علم نہیں۔

قرآن پاک کی وہ آیات شریف جو کفار کے حق میں تھیں اور قاضی صاحب نے جوش غضب میں انہیں علمائے مسلک دیوبند پر چسپاں کر دیا

۱...... ''بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی'' (سورۃ اعلیٰ:۱۶،۱۷) ترجمہ: تم دنیا کے جینے کو بڑھا رہے ہو اور آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والا گھر ہے۔ (القول الجلی ص۲۹ سطر ۷،)

یعنی تم یہاں کے عیش وآرام کو اعتقاداً وعملاً آخرت پر ترجیح دے رہے ہو، اس مرض کے حقیقی مریض کفار تھے۔ قاضی صاحب نے یہ آیت اس عاجز پر چسپاں کر دی ہے۔ اسی طرح یہ آیت دیکھئے۔

۲...... ''وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا'' (القول الجلی ص۳۶ سطر ۱۰)

القصہ کفار ومشرکین پر صادق آنے والی آیات کو علمائے دیوبند کے پیروں بلکہ خود ان پر پڑھتے چلے جانا کوئی امر مستحسن نہیں، ہمیں اس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ ''شرار الحق'' کی صفت یہ بیان فرماتے ہیں: ''انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین'' (صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۲۴)

وہ ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

''اشر منھم من یجعل آیات فی اشرار الیھود علی العلماء الامۃ المعصومہ'' (مجمع البحار: ص۲۴۲)

ان میں سے سب سے برے وہ لوگ ہیں جو یہودیوں کے حق میں اتری ہوئی آیات علمائے امت پر چسپاں کرتے ہیں۔

قاضی صاحب کی واعظانہ پھبتیاں اور طالب علمانہ چٹکلے

۱...... چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں مؤذن آیا۔ ایک بولا، دوسرے نے کہا، تیسرے نے کہا، چوتھے نے کہا، چاروں نے نماز توڑ دی۔ (ص۱۳)

(ماشاء اللہ کیا علمی باتیں ہیں)

۲...... سبحان اللہ! نحو ہو تو ایسی ہو۔ جس نے خلیل بن احمد...اور مرد کی کمر توڑ دی۔ ایک نحو میر اور ہدایۃ النحو پڑھا ہوا طالب علم بھی جانتا ہے۔ (ص ۴۷)

یہ اس استدلال کا جواب دیا جارہا ہے جو اصل میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا تھا۔

۳...... اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ ہند کے انصراف اور عدم انصراف میں نحاۃ کے کتنے مذہب ہیں تو یہ نہ بتا سکیں گے۔ اگر پوچھا جائے، اضراب کی تصغیر اضیرب منصرف ہے یا غیر منصرف، منصرف ہے تو کیوں اور غیر منصرف ہے تو کیوں۔ (ص ۶۴)

دیکھئے مسئلہ حیات النبی ﷺ کی خوب تحقیق ہو رہی ہے۔

۴...... ایک شخص اپنے سسرال چلا...انہوں نے پلاؤ، کورے اور زردے سے تواضع کی۔ (ص ۹۵)

ماشاء اللہ ابطال حیات عنصری کے لیے خوب مثال ہے۔

۵...... ملا دو پیازے نے کہا۔ اعوذ باللہ من البان والگان (کوچبان، گاڑیبان، شاہزادگان، صاحبزادگان) اور میں نے اس کے ساتھ ''ومن لیاڈر وو عاظ ہذا الزیان'' کا ایک فقرہ اضافہ کر دیا۔ (ص ۹۶)

قاضی صاحب! آپ کے کیا کہنے آپ نے تو ملا دو پیازہ کو بھی مات کر دیا اور اس کی رہی سہی کسر پوری کر دی۔

حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب کی تردید میں قاضی صاحب کی تیسری صراحت

شاہ صاحب یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ: ''آنحضرت ﷺ کی روح مبارک صرف اعلیٰ علیین میں ہے اور اسے آپ ﷺ کے جسد قبری سے کوئی تعلق نہیں آپ کا جسد محض بے حس و شعور پڑا ہے۔'' قاضی صاحب اس کی تردید اس انداز میں کرتے ہیں۔

''یہاں حافظ ابن قیم کی ایک عبارت بھی ہدیہ ناظرین ہے۔ جو حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ''فالانبیاء انما استقرت ارواحھم ھناک بعد مفارقۃ الابدان وروح رسول اللہ ﷺ صعدت الیٰ ھناک فی حال الحیوۃ ثم عادت وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء ومعھذا فلھا اشراف علی البدن واشراق تعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ وبھذا التعلق رای موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ، وقبرہ مقام بدنہ'' (القول الجلی ص ۸۲)

(ترجمہ) از قاضی صاحب، حافظ ابن قیم یہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ارواح طیبہ بعد مفارقۃ الابدان رفیق اعلیٰ میں اور آنحضرت ﷺ کی روح طیبہ بھی بعد الوفات بدن سے مفارقت کر کے دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں جا ٹھہری (اور اس کے باوجود اس روح کا بدن پر پرتو پڑ رہا ہے اور انعکاس ہو رہا ہے اور روح کا بدن سے ایسا تعلق قائم ہے کہ آپ پر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی روح و بدن کے تعلق سے حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا) اور بدن مبارک ضریح (قبر) میں ہے۔

(نوٹ) ترجمہ ہذا میں خطوط وحدانی کے اندر جو عبارت ہے وہ بھی حافظ ابن قیم کی ہی عبارت کا ترجمہ ہے۔ یہاں اسے بریکٹ میں اس لیے دیا گیا ہے کہ قاضی صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے اتنے حصے کو بالکل چھوڑ دیا

ہے۔ کیونکہ اس سے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے اس عقیدہ کی صریح تردید ہوتی ہے۔ ''روح پاک کا روضہ منورہ میں پڑے جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ محض بے حس وشعور ہے۔''

عربی عبارت پیش کر کے پھر اس لیے کہ عوام الناس پر اصل حقیقت نہ کھل جائے۔ ترجمہ میں کتر بیونت کرنا اور حق چھپانا کسی کے نزدیک بھی لائق تحسین نہیں۔ دھڑے کی حمایت میں قاضی صاحب سے ایسی حرکت کا صدور نہایت قابل افسوس ہے۔ یا وہ ترجمہ کرتے ہی نہ، اہل علم کو اس کی ضرورت نہ تھی اور اگر عوام الناس کے لیے کیا ہی تھا۔ تو پھر وہ بات نہ چھپاتے جو شاہ صاحب کے عقیدے کی بنیاد منہدم کر رہی ہے۔ ترجمے کو اس طرح شکار کرنے پر بریلوی واعظین بھی سر دھنتے ہوں گے ۔

نشان راہ منزل دیا اے حکیم تو نے مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ راہ نشین نہ راہی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا مسلک بیان کرنے میں قاضی صاحب کی توجیہہ قول القائل لما لا یرضی بہ قائلہ!

قاضی صاحب نے اپنے رسالہ القول الجلی (جس کا اشہر وصف یہ ہے کہ اسم کی مسمی سے کوئی مناسبت نہیں، نہ قاضی صاحب کا موقف اپنے مفہوم میں جلی ہے اور نہ اس میں مقصود حیات النبی ﷺ کا اثبات ہے) کے پہلے صفحہ پر حضرت مولانا محمد قاسم نونوتوی رحمہ اللہ کا موقف اس طرح پیش کیا ہے کہ یہ ان کا اصل عقیدہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک وقتی ضرورت (تردید شیعہ در بارہ عدم وراثت انبیاء) کے پیش نظر آپ کی برق طبع کا نتیجہ تھا۔ گویا کہ یہ طریق بحث صرف شیعہ کی بات کاٹنے کے لیے الزاما تھا۔ تحقیقاً نہ تھا (اصل عبارت کے لیے دیکھئے القول الجلی ص ۱)

معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے کبھی آب حیات کو دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں فرمائی اور اگر انہوں نے آب حیات دیکھی ہے تو پھر جان بوجھ کر قلب موضوع فرما رہے ہیں۔ ایسے بزرگوں سے ایسی جسارت نہایت افسوسناک ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ حج کے موقعہ پر اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی سے مکہ معظمہ میں ملے اور آب حیات کا مسودہ پیش کیا۔ اس کے متعلق آب حیات کے شروع میں لکھتے ہیں۔

''اس ہدیہ مختصرہ کو قبول فرما کی صلہ وانعام میں دعائیں دیں، علاوہ بریں صحیح وجدانی وتحسین زبانی سے اس ہیچمدان کی اطمینان فرمائی۔ انہی کم مائگی اور ہیچمدانی کے سبب جو تحریر مذکور کی صحت میں تردد تھا رفع ہو گیا۔ پھر کوئی سمجھے تو اور متعجب ہو، قاسم نادان کی تحقیق اور تنقیح اور ایسی مستحسن اور صحیح'' (آب حیات ص ۴)

اس عبارت کے ہوتے ہوئے کوئی طالب علم یہ جسارت نہ کرسکتا تھا، کہ آب حیات محض ایک الزامی تحریر تھی اور اس کا مضمون محض ایک مناظرانہ جواب تھا۔ حضرت حاجی صاحب کون سے شہرہ آفاق مناظر تھے۔ جو ان سے صحیح لی جا رہی تھی۔ حق یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے آب حیات میں لکھا وہی آپ کی تحقیق اور وہی آپ کا عقیدہ تھا۔ آپ اسے ہی حق اور صواب سمجھتے تھے۔ اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں۔

''اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی، یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے، منکروں کا کام یہی ہے۔'' (آب حیات ص ۵، مطبوعہ مجتبائی)

حضرت مولانا قاضی صاحب نے اسے محض مناظرانہ انداز جواب قرار دینے میں جس طرح حقیقت کا منہ چڑایا ہے، ہم اس پر کچھ کہنے کی بجائے ان کے تقویٰ و دیانت پر اعتماد کرنا سلامتی کے زیادہ قریب سمجھتے ہیں اور ان کی اس کی کارگردگی کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ انہوں نے شاید اصل کتاب آب حیات دیکھی ہی نہ ہوگی۔

ایک مقام پر حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی ﷫ فرماتے ہیں۔ ''بغرض اطمینان وتصدیق مولانا ومخدومنا رونق طریقت، زیب شریعت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ وادام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی۔''

(آب حیات ص ۲۰۶ سطر ۲۰،۲۱)

اگر قاضی صاحب نے واقعی کتاب آب حیات دیکھی ہے، اور پھر دھڑے کی خاطر یہ قلب موضوع فرمایا ہے تو اس دھڑے بندی پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

قاضی صاحب کی عوام الناس کو مرعوب کرنے کی کوشش

قاضی صاحب نے عوامی سطح پر یہ تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے نہایت بلند پایہ اور علمی تحقیقات سپرد قلم فرمائی ہیں اس مقصد کے لیے اپنے رسالہ (القول الجلی کے ص ۲) سے لے کر ص ۸ تک پورے چھ صفحوں میں حدیث وفقہ اور اصول ومنطق کی جتنی اصطلاحات آپ کو یاد تھیں یا تلاش کتب سے مل سکیں، آپ نے یکجا جمع فرمادی ہیں۔ ایک آدھ صفحہ آگے چل کر پھر علم بیان کی جتنی اصطلاحات آپ کو میسر آئیں سب کے نام لکھ ڈالے ہیں۔ اہل علم پر اگر اس طالب علمانہ شوق کا کوئی اثر نہیں تو کوئی حرج نہیں، عوام الناس تو ضرور سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ جو مشکل مشکل الفاظ قاضی صاحب نے لکھے ہیں۔ یہ سب حیات جسمانی کے ابطال میں دلائل ہی دلائل ہوں گے۔

تکرار کلام سے تکثیر دلائل کا ابہام

تفردات مجتہدین شمار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اتمام الصلوۃ فی المنی از امیر عثمان۔ اتمام الصلوۃ فی السفر السفر از عائشۃ۔ عدم اشتراط وطی زوج ثانی'' در تحلیل از ابن المسیب جواز مزامیر وملاہی از ابن حزم.... (ص ۴)

پھر ص ۵ پر ان تمام کا تکرار فرماتے ہیں۔ پھر ص ۶ سطر ۱۱، ۱۲ میں ان تمام جزئیات کو شمار فرمارہے ہیں۔ پھر ص ۷ سطر ۱، ۲ میں ان تمام کا تکرار ہورہا ہے۔

اگر اس بھرمار سے کتاب کا حجم بڑھانا مقصود ہے تو پھر ہمیں اعتراض نہیں۔ لیکن اگر عوام کو مرعوب کرنا پیش نظر ہے تو پھر یہ اقدام افسوسناک ہے کہ مسئلہ زیر بحث پر تو کوئی دلیل نہ ہو اور جو مسائل اس وقت محل نزاع نہیں ان کے تذکرہ سے اپنے آپ کو خوش کرلیا جائے۔

جن حضرات اکابر کے یہ تفردات ہیں۔ انہوں نے اپنے مسلک کلی کے تعین میں ان مسائل کو کبھی مابہ الامتیاز قرار نہیں دیا اور نہ کبھی ان مسائل کی بنیاد پر انہوں نے اپنے فرقے اور اپنے مسلک کلی کی نشاندہی کی ہے۔ اس لیے ان مسائل میں ان کی پیروی نہ کرنے والے ان کے مسلک کلی سے خارج نہ ہوئے بخلاف عقیدہ حیات النبی ﷺ کے کہ اسے علمائے دیوبند ان اہم امور میں بیان کرتے رہے ہیں جو دیوبندی مسلک کی تعیین اور دیوبندی دائرہ اعتقاد کی نشان دہی کرتے ہیں۔ حیات

النبی ﷺ فی القبر کے عنصری اور جسمانی ہونے کو علمائے دیوبند نے محض ایک اتفاقی تحقیق یا ضمنی استنباط قرار نہیں دیا بلکہ ان مسائل میں شمار کیا ہے۔ جن کی بناء پر ان کی جماعت دوسرے فرقوں سے امتیاز پاتی ہے۔ (دیکھئے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کا رسالہ الشہاب الثاقب) اسے تفردات مذکورہ پر قیاس کرنا قاضی صاحب جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

ہاں اگر قاضی صاحب کیفیت موت بمعنی انقباض الروح فی الجسد کو تفردات مذکورہ پر قیاس کرتے اور دوسروں کو اختلاف کرنے کا حق دیتے تو یہ چنداں قابل اعتراض نہ تھا۔ اس لیے کہ خود مابعد کے اکابر دیوبند نے کیفیت موت کے اس معنی کو اپنے مسلک کا مابہ الامتیاز نشان نہیں کہا اور نہ اسے ضروری طور پر اپنا جماعتی عقیدہ قرار دیا ہے۔ بلکہ اسی بات کو کافی جانا ہے کہ انجام کار قبر شریف کی حیات جسمانی کا اقرار ہو جائے۔ جو منشاء ترتب آثار و احکام ہو سکے۔ اب جب کہ روضہ منورہ کی اس حیات عنصری کو مابعد کے جمیع اکابر دیوبند اپنا جماعتی عقیدہ قرار دیتے ہیں اور اسے ان مسائل میں شمار کرتے ہیں۔ جن سے دیوبندی مسلک کی نشان دہی ہوتی ہو۔ تو پھر اسے ان تفردات مذکورہ پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اصل بات جو مابہ النزاع ہے وہ حیات النبی ﷺ کی موجودہ حقیقت ہے۔ وفات النبی ﷺ کی سابقہ کیفیت نہیں۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی ہوا ایک وقتی معاملہ تھا کہ طریان موت کس طرح ہوا اور کس طرح نہیں تعجب ہے کہ قاضی صاحب اس گزری ہوئی کیفیت اور اس ضمنی اور وقتی مسئلے کا اصل اور حیات کی موجودہ حقیقت کو اس کے تابع قرار دے رہے ہیں۔

''جب حضرت مرحوم کے اصلی موقف کو چھوڑ دینے میں سب شریک ہیں تو آگے چل کر جھگڑنے میں کیا فائدہ؟'' (القول الجلی ص ۱۲ سطر ۱۶)

کیا قاضی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ مابعد کے علمائے دیوبند نے طریان موت کی اس کیفیت کو اپنے جماعتی مسلک کا امتیازی شان کہا ہے۔ یا روضہ شریفہ کی حیات جسمانی کو دیوبندی مسلک کی نشان دہی کے لیے پیش کیا ہے۔ تفردات پر اجماعیات کو قیاس کرنا ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ پھر جب کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ خود فرما چکے ہوں۔

''ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں۔ ۔ فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتب آثار و احکام ہو سکے۔'' (آب حیات ص ۳۲)

پس اگر کوئی کیفیت بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد بھی مان لے اور پھر حضور ﷺ کے لیے روضہ شریفہ کی ایسی حیات جسمانی کا قائل ہو، کہ اس پر صلوۃ وسلام بھی پیش ہوتا ہے اور جو قریب سے عرض کرے اسے آپ خود بھی سنتے ہیں تو پھر اس کا عقیدہ قابل اعتراض نہیں اور نہ وہ حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے مسلک کلی سے خارج ہوتا ہے اگر یہ بات محض سٹیج کی زینت بننے والے اور جھوم جھوم کر مر گئے مر گئے کی رٹ لگانے والے مقرر اور واعظ کہتے تو چنداں حیرانگی کی بات نہ تھی، اس لیے کہ ''ذالک مبلغھم من العلم'' (النجم: ۳۰) تعجب تو یہ ہے کہ قاضی صاحب جیسے صاحب علم محض ایک کیفیت کو اصل قرار دے رہے ہیں اور تنوع موت کا ثبوت لغۃً دستیاب نہ آنے پر جوش غضب کی انتہا فرما رہے ہیں۔

نرالے دلائل

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے متعلق سنا گیا کہ آپ نے کہا تھا کہ: ''اگر رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں جسمانی طور پر زندہ ہیں، تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو ایک گڑھے میں بند کر رکھا ہوا تھا۔ ایسا تو کسی دشمن سے بھی نہیں کیا جاتا۔''

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ قبر کی حیات جسمانی کا موضوع تو درکنار یہاں گڑھے کا اطلاق بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ لسان شریعت میں کسی ادنیٰ مؤمن کی قبر پر بھی درست نہیں۔ حفرہ (گڑھے) کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انما القبر روضہ من ریاض الجنۃ و حفرۃ من حفر النار" (رواہ الترمذی)

دیکھئے! کتنے واضح الفاظ میں حضور کریم ﷺ گڑھے کا لفظ جہنیوں کی قبر کے لیے استعمال فرما رہے ہیں۔ پھر اس میں تو شک کی گنجائش قطعاً نہ تھی کہ گڑھے کا لفظ جب روضہ کے مقابلہ میں آئے تو یہ قبور کفار کے لیے خاص ہوتا ہے، کون نہیں جانتا کہ ساری دنیا حضور نبی کریم ﷺ کی قبر شریف روضہ اور روضہ منورہ سے یاد کرتی ہے۔ خود حدیث میں بھی اس پر روضہ کا اطلاق موجود ہے۔ اب ان سب حقائق کے باجود اس پر گڑھے کا اطلاق کرنا کیا روضہ کے مقابلہ میں گڑھے کا اطلاق نہیں، اور کیا گڑھے کا ایسا اطلاق قبور کفار سے مختص نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ شاہ صاحب اس اعتراض کے جواب میں یہ کہتے رہے ہیں کہ "میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا۔ میری تقریر کی یہ کسی نے غلط رپورٹ پہنچائی ہے۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ کوئی اپنے دشمن سے بھی یہ سلوک نہیں کیا کرتا کہ اسے زندہ کسی گڑھے میں بند کئے رکھے۔ چہ جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے توقع کی جائے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو قبر میں بند کر رکھا ہوا ہے۔"

اگر شاہ صاحب نے اپنے خطابی انداز میں یہ ملحوظ نہیں رکھا کہ علمائے دیوبند روضہ شریفہ کی حیات جسمانی ماننے کے ساتھ اختلاف دارین کے بھی قائل ہیں۔ کہ آپ نے یقیناً اس عالم دنیا سے اس عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ ہاں وہاں کی حیات کو اگر حیات دنیاوی کہہ دیا جاتا ہے تو وہ روح کا تعلق بالبدن کی بناء پر ہے، نہ یہ کہ آپ اسی دنیا میں موجود ہیں، رہا انتقال من الدار الی الدار کے باوجود اسے دنیاوی کہا تو ایسے اطلاق کے لیے تو ادنیٰ ملابست کافی ہے۔

یہ اختلاف دارین ابانۃ الروح عن الجسد کے ساتھ ہوا اور پھر قبر شریف میں روح لوٹائی گئی یا منعکس ہوئی اور یا یہ انتقال انقباض الروح فی القلب کی صورت میں ہوا اور پھر قبر شریف میں روح پھیلا دی گئی۔ اس یقین سے چارہ نہیں کہ اس دنیا میں آپ کے جسد اطہر سے آثار حیات سلب کر لیے گئے اور یہ صحابہ کے لیے کافی حجت تھی کہ وہ آپ کو پردہ قبر میں اتاریں۔ اس کے بعد جس حیات عنصری اور تعلق روح بالبدن کا اقرار کیا جا رہا ہے۔ وہ بہرصورت عالم برزخ میں ہی ہے اور اس کے پردہ قبر میں آنا ضروری تھا۔ صحابہ پر یہ اعتراض قطعاً نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے آپ کو قبر میں کیوں بند کر رکھا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اختلاف دارین اور "انتقال من الدار الی الدار" اجماعیات میں سے ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔

خیر شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی قبر پر گڑھے کا اطلاق بالکل نہیں کیا۔ یہ رپورٹ غلط ہے، میں نے تو اس کی تمثیل بیان کرنے کے لیے گڑھے کا اطلاق کیا تھا۔ اگرچہ پھر بھی محل اعتراض ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس جواب سے اصل اعتراض اٹھ جاتا ہے اور اس سے بہتر کوئی جواب نہیں کہ یہ رپورٹ خلاف واقعہ ہے۔

لیکن تعجب ہے کہ قاضی صاحب نے بایں ہمہ ادّعائے علم یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مؤمنین کی قبروں پر بھی حفرہ کا لفظ بولا جاسکتا ہے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ (دیکھئے القول الجلی ص ۹)

بات کی حقیقت

دفن کرنے کے لیے پہلے زمین میں گڑھا کھودا جاتا ہے۔ پھر اس کے ایک طرف لحد بناتے ہیں۔ میت کبھی پہلے گڑھے میں رکھ کر پھر لحد میں رکھی جاتی ہے اور کبھی اسے پہلے ہی براہ راست لحد میں اتارتے ہیں۔ اس کے بعد

اسے ڈھانپ دیتے ہیں، اب اس کا نام قبر ہو جاتا ہے۔ گڑھا اسے اس وقت تک کہا جا سکتا تھا، جب تک یہ گڑھا ہی تھا اور اسے میت اتارنے کے بعد ڈھانپ نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب میت مدفون ہو کر ڈھانپی جا چکی تو اب اس کا نام قبر ہے گڑھا نہیں، ہاں جہنمیوں کی قبور کے لیے اس کے بعد گڑھے کا اطلاق لسان شریعت میں ملتا ہے۔ پس مقبور (ڈھانپا ہوا) ہو چکنے کے بعد حفرہ (گڑھے) کا اطلاق کسی مؤمن کی قبر کے لیے درست نہیں۔

قاضی صاحب کے نرالے دلائل

قاضی صاحب کو ایسی نظائر پیش کرنا چاہیے تھیں جن میں کسی مؤمن کی قبر پر لفظ حفرہ اطلاق کیا گیا ہو، لیکن افسوس کہ قاضی صاحب سوال گندم جواب چنا کا مظاہرہ کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری حضرت سیدنا امام بخاری کی قبر پر حفرہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ''لما صلّی علیہ و وضع فی حفرتہ فاح من تراب قبرہ رائحة طیبة'' جب امام بخاری رحمہ اللہ پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی اور آپ کو گڑھے میں اتارا گیا تو جس مٹی سے آپ کی قبر بنی تھی اس سے بہت عمدہ خوشبو آنے لگی۔[1]

[1] سبحان اللہ! خاصہ مؤمنین کی قبور محض ذخیرہ اجسام نہیں۔ بلکہ ان کے روح کے اثرات ایک نہایت لطیف انداز میں ان کے اجسام بلکہ ان اجسام کے متعلق ہونے والی مٹی پر بھی اپنا اثر دکھلا رہے ہوتے ہیں۔ یہ خوشبو محض روحانی نہ تھی۔ بلکہ اس عالم دنیا کے لیے بھی حسی اور جسمانی تھی۔ تبھی تو حاضرین اسے محسوس کر رہے تھے۔

حضرت محدث سہارنپوری کا کسی لفظ کو استعمال فرمانا لسان شریعت کہلا سکتا ہے یا نہیں۔ ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے۔ اپنے ناظرین کو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے اس حفرہ (گڑھا) صرف اسی وجہ سے کہا ہے جب کہ وہ گڑھا ہی تھا، اس میں میت رکھی جا رہی تھی اور اس وقت تک اس نے ڈھانپا جا کر قبر کی صورت نہیں پائی تھی۔ جب اسے ڈھانپ دیا گیا تو اب اس کا نام قبر ہے، حفرہ ہرگز نہیں۔ اسی طرح (سنن ابن ماجہ ص ۱۳) میں، حفر حفرتہ یا ص ۱۱ میں نزل فی حفرتہ کے اطلاقات صرف گڑھے کے لیے ہی ہوئے ہیں۔ قبر ہو چکنے کے بعد کسی مؤمن کی قبر پر حفرہ کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ تعجب پر تعجب ہے کہ ایک طرف خود زبان نبوت پر لفظ (گڑھے) کا اطلاق جہنمیوں کی قبور کے لیے ثابت ہے پر اس کی پرواہ نہیں نہ اسے لسان شریعت سمجھا جا رہا ہے اور دوسری طرف کچھ بزرگوں کے اطلاقات میں اپنی طرف سے معنی ڈال کر (حالانکہ نہ ان کی یہ مراد ہے اور نہ انہوں نے ان عبارات میں اسے محکوم بہ بنایا ہے) اس کے خدا اور اس کے رسول کا فرمان نہ ہوتے ہوئے بھی اسے لسان شریعت قرار دیا جا رہا ہے۔ ''فو اسفا علی والتخرب و کسوف الشمس واتیان القوم علی خلاف ما کانوا علیہ بالامس''

الحصحصہ برفع الوسوسہ

علمائے دیوبند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخ کی زندگی کو جو دنیاوی زندگی کہتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ عالم دنیا میں آپ کا جو جسد اطہر تھا اب اس عالم برزخ میں اسی جسد اطہر سے روح کا تعلق قائم ہو چکا ہے اور اس تعلق کے اعتبار سے آپ اسی طرح زندہ ہیں جیسے کہ اس دنیا میں تھے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ زندگی ہر اعتبار سے اسی دنیا کی زندگی ہے اور اس دنیا کے تمام نوازم تمام کثافتیں، حوادث اور احتیاجات اس زندگی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ حاشا وکلا ہم آپ کے لیے ایسی زندگی کے

لیے ہرگز قائل نہیں۔ جو ہر اعتبار سے دنیاوی ہو۔ بلکہ ہمارے عقیدے میں آپ کی حیات طیبہ صاف ان لفظوں میں مندرج ہے:''ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ'' وہ حیات عالم اور ظروف کے لحاظ سے برزخی اور تعلق بالبدن العنصری کے لحاظ سے دنیاوی ہے۔ اسے ہر اعتبار سے دنیاوی کہنا اور اس دنیا کی تمام ضروریات اور آلائشیں اس کے لازم کرنا نہ یہ ہمارا عقیدہ ہے اور نہ ہمارے کسی بزرگ نے اس ایسا لکھا ہے جو ہماری طرف جان بوجھ کر اس اعتقاد کو منسوب کرے ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں:''ان ھذا الا بھتان عظیم''

قاضی صاحب کی غلط فہمی

قاضی صاحب کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہنوز ہمارے مؤقف کا علم نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اختلاف دارین کے بھی قائل نہیں اور حضور ﷺ کو اسی جہان میں زندہ مان رہے ہیں۔ گویا کہ انتقال من الدار الی الدار کا تحقق ہی نہیں ہوا۔ (معاذ اللہ)

قاضی صاحب لکھتے ہیں۔''قبر میں نماز پڑھنے سے قبر (عالم برزخ) میں حیات ثابت ہوئی یا دنیا میں۔''
(القول الجلی ص ۸۱)

معلوم ہوتا ہے قاضی صاحب ہنوز اسی غلط فہمی میں ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی حیات طیبہ قبر شریف میں نہیں مان رہے اور نہ ہی ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ عالم برزخ میں منتقل ہو چکے بلکہ آپ نے اس عالم دنیا سے انتقال ہی نہیں فرمایا (حاشا وکلا یہ عقیدہ ہمارا ہرگز نہیں)

ایک مقام پر قاضی صاحب فرماتے ہیں:''کبھی یہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ موت فنا کلی کا نام نہیں، بلکہ انتقال من دار الی الدار کا نام ہے۔ مگر اس سے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ اپنے لیے دلیل بنا رہے ہیں۔ یا اپنے خلاف۔ اس لیے کہ یہ دلیل بنتی تو ان حیات نبویہ کہنے والوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایک تو لفظ انتقال ہے جس کا معنی ہٹ جانا۔ ہے اور دوسرا لفظ من دار الی الدار ہے۔'' (القول الجلی ص ۷۵)

اس سے قاضی صاحب کی وہی غلط فہمی ٹپک رہی ہے۔ انصاف یہ ہے کہ جب تک انسان دوسرے کے مؤقف کو سمجھ نہ لے اور مابہ الاختلاف کی تنقیح نہ کر لے اسے مقابلے میں آنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہاں عادت کرنا اور بات ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:''آپ نے کہ کہہ کر کہ آنحضرت ﷺ کی وہاں حیات برزخی نہیں دنیوی ہے، اس کو جواب کا نفاذ بھی روک دیا۔'' (القول الجلی ص ۱۶)

جناب والا! علمائے دیوبند میں سے یہ کس نے کہا ہے کہ آپ کی وہ حیات طیبہ برزخی نہیں۔ یہ آپ خواہ مخواہ دوسروں کے ذمہ تھوپ رہے ہیں۔ ہم تو صرف ایسی حیات برزخی کا انکار کرتے ہیں جس میں تعلق روح البدن کے لحاظ سے حیات دنیاوی کا کلی انکار ہو۔ اگر حیات برزخی دنیاوی کا مسلک اختیار کیا جائے تو یہی تو علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے۔ (دیکھو المہند ص ۱۴)

''لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ'' قاضی صاحب ایسی غلط فہمی میں (ص ۵۰) سے لے کر (ص ۵۵) تک مذمت دنیا میں اوراق سیاہ کرتے چلے گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:''انبیاء کی جماعت کو نہ دنیا سے لگاؤ ہے نہ دلچسپی نہ محبت نہ پیار نہ اس کے مزخرفات کی طرح التفات۔''

یہاں سے لے کر آپ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۴) تک کی احادیث مذمت دنیا میں نقل کرتے چلے گئے ہیں، حالانکہ یہ بحث ہی نہ تھا۔ نہ ہم بجمیع الوجوہ آپ کی دنیاوی زندگی کے قائل ہیں اور ان میں اختلاف دارین ماننے والوں کے خلاف کوئی حجت موجود ہے۔ غور کیجئے کس طرح ان احادیث کے بیان میں تبدیل مراد، قلب موضوع اور حمل علی غیر محلہ کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

قاضی صاحب! القول الجلی ص ۳۳ پر یہ کہہ کر علمائے دیوبند کی تردید کر رہے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد اس دنیا میں دوبارہ آنے کا عقیدہ روافض کا ہے اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وہ رجعت کے قائل ہیں۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں۔ اس سے قاضی صاحب کی وہی غلط فہمی ظاہر ہو رہی ہے کہ گویا علمائے دیوبند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم دنیا میں دوبارہ لوٹنا مان رہے ہیں اور آپ کے عالم برزخ میں ہونے کا انکار کر رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) جب قاضی صاحب کو اصل موضوع اختلاف کا ہی پتہ نہیں تو معلوم نہیں تو انہوں نے بے محل اتنے اوراق کس غلط فہمی میں سیاہ کر ڈالے ہیں اور پھر نام رکھا ہے "القول الجلی" قاضی صاحب کی اس بے چارگی پر حیرت در حیرت ہوتی ہے۔

ارسطو فارابی اور ابن سینا کی قبر پر لات

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں بحیات دنیویہ زندہ ہیں تو آپ پر نماز کیوں فرض نہیں رہی۔ روزے کیوں فرض نہیں رہے، جہاد کیوں فرض نہیں رہا، لوازم منتفی ہیں تو ملزوم یعنی حیات دنیاوی) اس کی نفی کیوں نہ ہو۔" (اصل عبارت کے لیے دیکھیے، القول الجلی ص ۱۴)

قاضی صاحب نے دنیا جیسی زندگی کے لیے نماز روزے کو لوازم میں سے قرار دیا ہے۔ یہ ہمارے علم میں ایک نیا اضافہ ہے ہم تو اس زندگی کے لیے نماز، روزے کو "عرض مفارق" سمجھ رہے تھے۔ عرض لازم ہونا ہمیں کسی طرح سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اب قاضی صاحب نے اس عقدے کو بھی حل کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے لوازم کی نفی کے ساتھ ملزوم کی نفی کے لیے قاضی صاحب کو مجبور کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تمہید آپ نے ہی باندھی ہے۔ اس لیے امید ہے کہ وہ اتنے ادعائے علم کی وجہ سے اقرار سے ہرگز گریز نہ فرمائیں گے۔

حائضہ عورت جس پر نماز فرض نہیں وہ ہرگز دنیا میں زندہ نہیں، لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ضروری ہے ورنہ ارسطو کی قبر پر لات ہے۔ شیخ فانی جس پر روزے فرض نہیں وہ بھی ہرگز زندہ نہیں، ورنہ فارابی کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ غریب پر حج فرض نہیں، اس لیے ہرگز زندہ تسلیم نہ کیا جائے گا ورنہ ابن سینا کی خیر نہیں۔ "انتفاء لازم واحد کی صورت میں وجود ملزوم کا قول کرنا بداہت عقل کے خلاف ہے۔" (القول الجلی ص ۱۵ ص ۱۶)

قاضی صاحب کی نرالی منطق

قاضی صاحب اپنے رسالہ القول الجلی میں پہلے صفحہ پر ہی صراحت سے لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ بعد ازاں قاضی صاحب حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی موقف کی تردید میں بزعم خود دلائل کی بھرمار شروع کر دیتے ہیں اور جوش غضب میں کہیں تھمتے ہی نظر نہیں آتے۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت کا موقف اگر سمجھ میں نہیں آیا تھا تو اس کا مقتضاء توقف اور

سکوت تھا یہ جوش تردید کیسا؟ اور اگر حضرت نانوتوی ﷫ کے دلائل واقعی غلط اور قابل تردید تھے تو پھر سمجھ میں نہ آنا کیا؟ پھر یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہمیں سمجھ میں آ گیا ہے کہ حضرت نے جو کچھ فرمایا ہے غلط ہی غلط ہے۔ (معاذ اللہ)

افسوس ہے قاضی صاحب نے دھڑے کی خاطر بہت سے ایسے امور کا ارتکاب کیا ہے جو ان کی شان اور ان کے مقام کے ہرگز مناسب نہ تھا۔ معقول کے بعد قاضی صاحب کے منقول کو بھی دیکھئے۔

القول الجلی صحت نقل کے معیار پر

حضرت قاضی شمس الدین صاحب نے حضور ﷺ پر صلوۃ وسلام عرض ہونے کی احادیث کو مضطرب ثابت کرنے کے لیے جس جوش علم کا اظہار فرمایا ہے وہ القول الجلی ص ۷۷ پر نہایت روشن ہے اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں: ''سنن ابن ماجہ میں ہے۔ ''فان صلوتکم معروضۃ علیّ وان احدالن یصلی علی الاعرضت علیّ صلوتہ حتی یفرغ منھا۔'' ان میں نہ کل یوم کا ذکر ہے نہ یوم جمعہ کا۔ (القول الجلی ص ۷۷)

ناظرین عالی مقام! جب میں نے سنن ابن ماجہ کو کھول کر دیکھا تو اس کے ص ۱۱۹ پر یہ حدیث مل گئی۔ لیکن یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ وہاں صریح طور پر یوم جمعہ کا لفظ موجود ہے۔ جسے قاضی صاحب نے نہ صرف چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کے نہ ہونے کا دعویٰ فرما دیا ہے۔ اگر کوئی شخص قاضی صاحب کے باقی منقولات کو بھی اسی طرح غلط اور خلاف واقع سمجھنے لگے تو میں اسے کس طرح روک سکوں گا۔

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

حرف آخر

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

یعنی انبیاء کرام کی حیات پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ کسی کو اس سے اختلاف نہیں۔ اس حیات سے مراد حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ہے نہ کہ فقط روحانی معنوی، حضرت قاضی شمس الدین صاحب کی خدمت میں ایک سوال معتبر منقولات کی روشنی میں بیان فرمایئے کہ:

تمام اہل سنت والجماعت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سلف صالحین، فقہاء، محدثین ومتکلمین میں سے کیا کوئی ایسی معتبر شخصیت گزری ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور انور ﷺ کا بدن پاک روضہ منورہ میں ہے تو بالکل محفوظ لیکن اس میں کوئی حس اور شعور نہیں اور روح مبارک کا قبر میں پڑے ہوئے جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر پوری سواد اعظم اور ساری امت اہل حق میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی یہ عقیدہ نہیں ملتا تو فرمایئے کہ شاہ صاحب کا یہ عقیدہ، کیا واقعی معتزلہ کا مذہب تو نہیں ہے۔ جس کی آپ ایسا عقیدہ رکھنے کے بغیر حمایت کر رہے ہیں۔ ''بینوا وتوجروا''

خادم علمائے مسلک دیوبند
ناچیز عبداللطیف شجاع آبادی
سابق مبلغ ختم نبوت گوجرانوالہ